اویس پاشا قرنی*

عصر حاضر میں غلبۂ اسلام کے لیے جہاد

''اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے جو اپنی اصل کے اعتبار سے غلبہ چاہتا ہے''۔ ماجرا کچھ یوں ہے کہ یہ فقرہ آج ایک خاص تصورِ دین کا عکاس ہے۔ اِس عبارت کو سمجھنے کے لیے گزشتہ صدی کے فکری رجحانات اور ان کے اظہار کے لیے وضع کردہ خاص محاورے اور اصطلاحات کو سامنے رکھنا ضروری ہے۔ نسل انسانی کے اجتماعی شعور نے جب اپنے گزشتہ مشاہدات وتجربات کی روشنی میں اپنی اجتماعیت کو ایک مربوط نظام کی شکل دینے کی کوشش کی اور اس کی پشت پر افراط وتفریط پر مبنی خالص مادی نقطۂ نظر سے مختلف فکری استدلال بھی قائم کیے، تو بالکل فطری تقاضے کے طور پر مسلمان اہل علم نے دین اسلام کی ''تعبیر'' وقت کے محاورے اور اصطلاح کو سامنے رکھتے ہوئے کی۔ یہ اِسی کا مظہر ہے کہ آج ہم اپنی روز مرہ کی زبان میں اِس جیسے کئی جملے استعمال کرتے ہیں کہ ''اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے، اسلام کا معاشرتی نظام، سماجی نظام، معاشی نظام، سیاسی نظام وغیرہ''۔ اِس تعبیر کے ساتھ جو ایک خاص جذبہ کارفرما تھا اُسے خود شعوری یا احساسِ بیداری کہا جا سکتا ہے۔ چنانچہ مسلمانوں میں یہ احساس عام ہوا کہ نظاموں کی اس کشاکش کے درمیان، جبکہ ہر قوم اپنے افراط وتفریط پر مبنی مادی، خدا بے زار نظامِ حیات کو دوسروں پر مسلط کرنا چاہتی ہے، ہم بھی ایک نظامِ حیات کے دعوے دار ہیں، جس کی ترتیب وتدوین وحی ورسالت کے ہاتھوں ہوئی ہے اور اِسی پر عمل پیرا ہو کر ہم نے اِس دنیا پر کئی صدیوں تک حکومت کی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اِسی فکری ونظری لہر کے نتیجے میں تمام بلادِ اسلامیہ میں مختلف تحریکات غلبہ واقامت دین یا اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کی آرزو کے ساتھ میدانِ عمل میں اُترتی ہیں۔ یہی وہ موقع ہے کہ جب اُمت مسلمہ کے فکری قائدین نے اِس قافلہ کو بھولا ہوا سبق یاد دلایا اور اس طرح احیاءِ اسلام کا عمل جاری ہوا۔

ان احیائی تحریکوں میں ایک نئے عنصر کا ظہور ماضی قریب میں ہوا ہے۔ غلبہ واقامت دین کے لیے کام کرنے والی ان تحریکات پر قریب قریب ایک صدی مکمل ہونے کو ہے مگر واقعاتی دنیا میں کوئی قابل ذکر تبدیلی رونما نہیں ہوئی، یعنی جو نتائج مطلوب تھے وہ حاصل نہیں ہوئے، اِلّا یہ کہ کچھ صالحین مسلم معاشروں میں سے ان تحریکات کے عنوان سے مجتمع ہو گئے۔ ان نتائج کے سامنے آنے پر ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ ہم اپنے کام پر ناقدانہ نگاہ ڈالتے اور خامیوں، کوتاہیوں کا ازالہ کرتے ہوئے مستقبل کے لیے خود احتسابی کے ساتھ پرجوش انداز میں سرگرم عمل رہتے۔ مگر بدقسمتی سے انسان جلد باز

* owaispasha@quranacademy.com

واقع ہوا ہے۔ نیا منظر نامہ یوں مرتب ہوا کہ ان تحریکات کے کچھ پرجوش اور سرگرم عناصر اپنے گزشتہ سوچے سمجھے معتدل اور محتاط طریقہ کار کے بارے میں ناامیدی اور شکوک وشبہات کا شکار ہو گئے' جیسا کہ فکری خلا کا کوئی وجود نہیں اور انسان کسی صحیح یا غلط استدلال کے اختیار کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔ چنانچہ ان عناصر نے جلد بازی میں ایک نئی راہ اختیار کی جو کہ ہمہ گیر اسلامی تحریک کو نقصان پہنچانے کا باعث بن رہی ہے۔ اس ہنگامی صورت حال سے قبل عالمِ اسلام میں احیائی عمل کی ترتیب کچھ یوں تھی کہ پہلے دعوتِ ایمانِ حقیقی' تزکیۂ نفوس' تعلیم کتاب وحکمت' تربیت وتنظیم' پھر جہاد وقتال۔ جبکہ اس جدید استدلال میں بات تکفیر سے شروع ہوتی ہے اور مجہول الہدف' بے نتیجہ قتال کے گرد گھومتی رہتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اس بے اصل استدلال کو شرعی نصوص سے بھی ثابت کرنے کی کوشش کی گئی۔ ان صفحات میں ہمارے پیش نظر اسی اشکال کا جائزہ لینا ہے۔

اِس امر میں تو مسلمانوں کے درمیان کوئی اختلاف نہیں کہ چاہے معاملات ہوں یا عبادات' معاشرت ہو یا سیاست وریاست' عملی رہنمائی کا اصل ماخذ قرآن کریم اور رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین j کی سنت وسیرت ہے۔ جس طرح یہ اصول دیگر دینی تعلیمات کے لیے صحیح ہے اِسی طرح غلبہ واقامتِ دین یا نصبِ امامت وخلافت کے طریقہ کار' لائحہ عمل اور منہج انقلاب کے اخذ کرنے کا اولین واہم ترین ذریعہ بھی سیرتِ رسول ﷺ ہے۔ (اس فرق کے ساتھ کہ عبادات یعنی تعبدی اُمور میں اصل ''حرمت'' ہے یہاں تک کہ اُس کی حلت ثابت ہو جائے اور معاملات میں اصل ''اباحت'' ہے یہاں تک کہ اُس کی حرمت ثابت ہو جائے۔) معلوم یہ ہوا کہ مصدر وماخذ سے متعلق کوئی اختلاف نہیں' بلکہ یہ جو تنوع ہم تحریکوں کے طریقہ کار میں پاتے ہیں یہ اصلاً اُس کے فہم اور تعبیر وتشریح میں نقطۂ نظر کی صحت وضعف کا ہے۔ واضح رہے کہ جب ہم کسی فعل کے لیے کسی واقعہ سے نظیر لیتے ہیں یا قضیۂ اولیٰ کو قضیۂ ثانیہ پر قیاس کرتے ہیں تو اِس امر کی صحت وبطلان کا انحصار دو اساسات پر ہوتا ہے' جسے اصولیین کی زبان میں اصل اور فرع یا مقیس علیہ اور مقیس کہتے ہیں۔ جب تک ہر دو اجزاء کی مکمل معرفت' اُن کے اوصاف وخواص' تعمیم وتخصیص' اطلاق وتقیید سے واقفیت اور سبب وعلت پر حکیمانہ نظر نہ ہو تو یہ استنباط دخطرہ سے خالی نہیں ہوتا۔

زیرِ نظر موضوع پر جب ہم اِس اصول کی روشنی میں غور کرتے ہیں تو تعقل کے اجزا یہ قرار پاتے ہیں:

(۱) منہج انقلاب اخذ کرنے کے نقطۂ نظر سے رسول اللہ ﷺ کی سیرتِ مطہرہ کا مطالعہ۔

(۲) موجودہ احوال وظروف کا دقتِ نظری سے مطالعہ۔

جزِ اول کی حیثیت اصل یا مقیس علیہ کی ہوگی اور جزِ ثانی فرع یا مقیس کہلائے گا۔ اِس بات میں کوئی ابہام نہیں ہونا چاہیے کہ دونوں اجزاء اپنی انفرادی حیثیت میں مکمل توجہ کے مستحق ہیں' کوئی بھی جز وثانوی درجہ کا نہیں' اس لیے کہ مطلوبہ مقاصد کا حصول صرف اُسی وقت ممکن ہے جب دونوں اجزاء کی صحیح معرفت ہو۔ یعنی سیرت کے مطالعے میں خاص معروضی نقطۂ نگاہ کو اپنایا گیا ہو جو کہ تخریج منہج کے لیے مطلوب ہے۔ اور اِسی طرح اپنے زمانہ کے مزاج' تقاضے دورِ نبویؐ کے مقابلہ میں رونما ہونے والے فرق وتفاوت' تمدنی وفکری ارتقاء اور دیگر قابل لحاظ امور کی صحیح صحیح تحقیق وتنقیح کر لی گئی ہو۔ فقہ کی اصطلاح میں پہلے جز کو فقہ الاحکام اور دوسرے جز کو فقہ الواقع سے تعبیر کیا جاتا ہے اور ایک شخص

کے لیے دونوں اجزا کی تحقیق لازم ہے، ورنہ وہ مقاصدِ شرعیہ کی من کل الوجوہ پاسداری نہیں کر سکتا۔

اِس کو عام فہم انداز میں اِس طرح سمجھا جا سکتا ہے کہ جیسے ایک کاریگر فرمے یا سانچے سے کوئی شے تیار کرتا ہے۔ اِس عمل کے دو اجزاء ہیں‘ ایک سانچہ اور دوسرا وہ مادّہ جس کو اُس سانچے میں رکھ کر مطلوبہ شے تیار کی جاتی ہے۔ کاریگر کا دونوں اجزاء سے اچھی طرح واقف ہونا یکساں طور پر ضروری ہے۔ اُسے فرمے یا سانچے کا استعمال بھی آتا ہو اور ساتھ ساتھ یہ بھی معلوم ہو کہ جس مادہ کو سانچہ میں ڈالا جاتا ہے اُسے پگھلا کر استعمال کیا جاتا ہے یا کاٹ کر یا پیس کر۔ مطلوبہ شے کا حصول تبھی ممکن ہے کہ جب کاریگر دونوں اجزاء سے گہری واقفیت رکھتا ہو۔

اللہ عزوجل نے اپنے نبی حضرت محمد ﷺ کو اظہارِ دین یا اقامت دین کے لیے جو منہج دے کر بھیجا وہ واضح طور پر دو مراحل میں منقسم ہے‘ اور ہر دو مراحل اپنی نوعیت‘ اثرات اور تقاضوں کے اعتبار سے مختلف اور متضاد بھی ہیں۔ اگر مکی دور میں نازل ہونے والی آیات پر ایک سرسری نگاہ ڈالی جائے تو کوئی مانع نہیں جو اِس تأثر کے اخذ کرنے سے ہمیں روکتا ہو کہ اُس دَور میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی جانب سے اپنے نبیؐ کو جو منہج اور طریقۂ کار دیا گیا تھا وہ دعوت اور تبلیغ ہی کا تھا جس میں ایک خاص درویشانہ رنگ غالب ہے۔ یہ دَور جہاد وقتال سے یکسر خالی ہے۔ اور اگر کہیں آیات میں لفظ جہاد استعمال ہوا ہے تو اُس کے معنی کوشش اور جدوجہد کے ہیں نہ کہ جنگ وقتال کے۔ اُس دَور کی کیفیات کا مطالعہ کیا جائے تو چند عناصر بہت واضح ہیں‘ جیسے یہ حکم کہ صبر کیے جاؤ‘ یعنی جو مصائب دعوت کے دوران پیش آئیں اُن پر صبر کی تلقین ہو رہی ہے۔ استقامت یعنی اپنے موقف پر ڈٹے رہنے کی تعلیم دی جا رہی ہے۔ ہر مصیبت کو جھیل جانے کا عزم پیدا کیا جا رہا ہے۔ برائی کا بدلہ اچھائی سے دیے جانے پر اُبھارا جا رہا ہے‘ تزکیۂ نفوس پر زور ہے‘ نماز اپنی ابتدائی شکل میں ہے اور اُس کی مشق کرائی جا رہی ہے۔ اخلاق کی تہذیب مطلوب ہے۔ حق بات کہنے پر جو ذہنی یا جسمانی اذیت پہنچے اُس پر کمالِ استقامت کی ترغیب اور اس کے نتیجے میں جنت کی خوشخبری دی جا رہی ہے۔ ایمان وتقویٰ میں درجۂ احسان کی جانب پیش قدمی کے لیے تحریض وتشویق ہے۔ سیرتِ نبویؐ کے اس مرحلہ میں مسلمانوں کی پوری جماعت کو اِس بات کی سخت تاکید تھی کہ ظلم کے جواب میں کوئی اقدام نہیں کرنا۔ یعنی مار کھانا ہے مارنا نہیں ہے‘ جان دینا ہے جان لینا نہیں ہے۔ اِسی حکم کو بعد میں اِن الفاظ میں ظاہر کیا گیا:

﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ ..... ﴾ (النساء:۷۷)

’’کیا تم نے نہیں دیکھا اُن لوگوں کی طرف جن سے کہا گیا تھا کہ اپنے ہاتھ بندھے رکھو.....؟‘‘

مکی دَور کے منہج کے برعکس ہجرت کے بعد یعنی مدنی دور میں ہم دیکھتے ہیں کہ مندرجہ بالا عناصر میں چند اور چیزوں کا اضافہ ہوتا ہے جس سے جدوجہد کا رنگ ہی بدل جاتا ہے۔ اب کفار کو نہ صرف اُن کے ظلم کا جواب دیا جا رہا ہے‘ بلکہ آگے بڑھ کر چیلنج بھی کیا جا رہا ہے۔ اُن سے دوبدو جنگ ہو رہی ہے‘ اُن کی گردنیں اُتاری جا رہی ہیں‘ کفار ومشرکین کو قیدی بنایا جا رہا ہے۔ جہاں معاہدہ کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے وہاں عہد ومیثاق ہو رہے ہیں‘ جہاں عارضی صلح درکار ہے وہاں امن وصلح کی بات چیت ہو رہی ہے۔ غرض اس اُبھرتی ہوئی طاقت کے لیے جس وقت جو عمل مناسب ہے وہ اختیار کیا جاتا ہے‘ یہاں تک کہ اللہ عزوجل نے اسلام کو شان وشوکت سے نواز دیا۔ ہر دو مراحل کے تقاضے یکسر مختلف

ہیں۔ بظاہر یہ تضاد ہے مگر حکمت دین کو ملحوظ رکھتے ہوئے اگر سیرت کے اِن اَدوار پر غور کیا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ان مراحل کے مابین نسبت تضاد کی نہیں بلکہ تدریج کی ہے۔ ایک مقدم ہے اور ایک مؤخر!

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو غلبہ واقامت دین کے لیے جو منہج دے کر بھیجا وہ واضح طور پر دو مرحلوں پر منقسم ہے' جیسا کہ قرآن وسیرت کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے۔ ایک کو ہم مکی دَور کہتے ہیں اور ایک کو مدنی دَور۔ ان کے مابین اصل فرق یہ ہے کہ مکی دور میں مسلمانوں کی تعداد اور استعداد کم تھی' ان کی تربیت اور تزکیہ وتنظیم کا عمل جاری تھا اس لیے رسول اللہ ﷺ اور صحابہؓ کو حکم یہ تھا کہ اسلام کی دعوت اپنے قول وفعل سے دیتے رہیں۔ ایمان کی پختگی' گہرائی اور گیرائی کے لیے سعی پیہم جاری تھی۔ اخلاق کی تہذیب' اللہ کے ساتھ عبدیت کے تعلق کو مستحکم کرنے کی کوشش اور درجۂ احسان کا حصول اُس دَور میں اپنے عروج پر نظر آتا ہے۔ منہج کے اعتبار سے دیکھا جائے تو صبح وشام اُس مطلوبہ استعداد اور تعداد کو حاصل کرنے کے لیے دعوت کا عمل ہر قربانی اور ایثار کے جذبہ کے ساتھ انتہائی مستقل مزاجی اور بغیر کسی مداہنت کے جاری وساری تھا۔ یہی وہ تشکیلی دَور ہے جس میں رسولِ خدا ﷺ نے وحیٔ الٰہی کی روشنی میں صحابہ کرامؓ کی صورت میں وہ قوت وجمعیت فراہم کی جو کسی بھی نظام سے ٹکرانے یا بالفاظِ دیگر مسلح یا غیر مسلح اقدام کے لیے شرط کی حیثیت رکھتی ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ مکی دور میں نبی اکرم ﷺ اور ان کے صحابہ jمشرکین کے مظالم کے جواب میں صبر ومصابرت کی روش پر گامزن ہیں اور اس کے برعکس مدینے میں ایک ایسا وقت بھی آیا کہ ابوسفیان نے دربارِ نبویؐ میں دست بستہ حاضر ہو کر صلح کی درخواست کی لیکن نبی اکرم ﷺ نے صلح نہیں کی۔ ظاہر ہے کہ یہ عمل وحیٔ الٰہی کی روشنی میں نبی اکرم ﷺ کی رہنمائی اور قیادت میں اختیار کیا گیا۔ مکی دَور میں پوری جدوجہد پر ایک درویشانہ اور مظلومانہ رنگ غالب ہے جبکہ مدنی دور میں اقدامی اور جارحانہ روش دکھائی دیتی ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسا کیوں ہے اور اس کے پیچھے کیا حکمت کارفرما ہے؟ تو جاننا چاہیے کہ اسلام نہ ہمیشہ امن اور صلح' صبر اور درگزر کی تعلیم دیتا ہے اور نہ ہی ہر حال اور ہر جگہ جنگ وجدال اور جہاد وقتال پر اُبھارتا ہے۔ اسلام میں فی نفسہٖ نہ صلح مطلوب ہے نہ قتال' بلکہ یہ دونوں ایک خاص مقصد کے لیے حکمت عملی کے طور پر اختیار کیے جاتے ہیں' اور وہ خاص مقصد ہے اظہارِ دین حق' اقامت دین' قیامِ خلافت' نصب امامت' اقامۃ الدولۃ الاسلامیہ' حکومت الٰہیہ کا قیام۔ غرض نام اور اندازِ تعبیر مختلف ہیں مگر ان سب سے ایک ہی حقیقت کا اظہار مطلوب ہے۔ امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ دہلویm نے اِس آیت کو سیرت النبی ﷺ کا عمود قرار دیا ہے' یعنی یہی وہ نقطہ ہے جس کے گرد پوری تیئیس سالہ جدوجہد گردش کر رہی ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ﴾

(التوبۃ:۳۳' الفتح:۲۸' الصّف:۹)

''وہی ہے (اللہ) جس نے بھیجا اپنے رسول کو الہدیٰ (کتاب ہدایت) اور دین حق دے کر تا کہ غالب کر دے اُسے تمام نظام ہائے حیات پر''۔

اس آیت مبارکہ میں نبی اکرم ﷺ کا مقصد بعثت بیان ہوا ہے۔ اس نقطہ کو سمجھ لینے کے بعد سیرت کے ہر دو مراحل

میں کوئی تضاد اور کوئی تعارض باقی نہیں رہتا۔ یعنی جب بھی جو طریقۂ کار غلبۂ دین کے لیے زیادہ مناسب تھا ہم دیکھتے ہیں کہ سیرت النبیؐ میں وہی طریقہ اختیار کیا گیا۔ جب تک مکہ میں رہے مسلمانوں کے پاس اس قدر قوت نہ تھی کہ کفر کی حکمرانی کو جڑ سے اُکھاڑ پھینکتے اور اُس کی جگہ خدا کی حکمرانی قائم کرتے۔ اس لیے اقدام نہ کیا بلکہ مسلسل تن دہی کے ساتھ قوت کی فراہمی میں کوشاں رہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہاں قوت سے مراد صرف عددی قوت نہیں بلکہ ایسی عددی قوت کی فراہمی مطلوب ہے جو ایمانِ حقیقی سے وافر حصہ رکھتے ہوں اور عمل صالح پر کاربند ہوں۔ پھر ہم دیکھتے ہیں کہ جب مطلوبہ قوت فراہم ہوگئی تو رسول اللہ ﷺ نے باطل کے خلاف اقدام کیا اور بھرپور کیا۔ بالآخر اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسلام اور اہل ایمان کو غلبہ عطا فرمایا۔ دراصل یہ نقطہ حکمت دین سے متعلق ہے اور حکمت کی ایک تعریف یوں بھی کی گئی ہے: ''**وضع الشئ فی محلہ**''. یعنی ہر چیز کو اُس کے صحیح مقام پر رکھنا۔ اللہ ہمیں حکمت عطا فرمائے۔ آمین!

کیا اب مکی منہج (مرحلۂ دعوت) منسوخ ہے؟

جیسا کہ واضح کیا گیا' منہج نبویؐ کے دو مراحل ہیں جن میں حالات کی رعایت سے مقدم ومؤخر کی نسبت ہے۔ اب مسئلہ یہ درپیش ہے کہ ہمارے زمانے کے بعض خاص ذہنی پس منظر رکھنے والے افراد جو انقلابِ اسلامی کے طریقہ کار جیسے اہم موضوع پر سنجیدہ علمی وعقلی غور وفکر کے لیے سرے سے تیار ہی نہیں اور مسلمانوں کی موجودہ صورتِ حال پر اس قدر انفعالی کیفیت کا شکار ہیں کہ بغیر کسی استدلال کے نری جذباتیت برتتے ہیں' اور جو منہج اُنہوں نے اپنایا ہوا ہے وہ اصلاً تو کوئی لائحہ عمل ہے ہی نہیں اِلاّ یہ کہ اپنے غم وغصہ کا اظہار ہو یا کچھ انتقامی جذبات کی تسکین ہو' سردست ہم اُن کے اِس دعویٰ بلا دلیل کا جائزہ پیش کرنا چاہتے ہیں کہ کیا جہاد وقتال کی آیات کے نزول سے دعوت وتبلیغ کا منہج منسوخ ہو گیا ہے؟ وہ آیات جو مکی دَور میں ہاتھوں کو باندھے رکھنے اور برائی کا جواب اچھائی سے دینے' مظالم پر صبر کرنے اور ظلم وجبر کے جواب میں مسلسل دعوت وتنظیم کو مزید بڑھانے کا مطالبہ کرتی ہیں' منسوخ ہو چکی ہیں اُن آیات سے جو مدنی دَور میں اذنِ قتال اور پھر حکم قتال سے متعلق نازل کی گئیں؟ ہمیں اِس بات کا جائزہ لینا ہے کہ یہ دعویٰ کہاں تک صحیح ہے؟

ہمارے اِن نیک نیت مگر جذبات سے مغلوب بھائیوں کو اس بات کا اندازہ نہیں کہ وہ خالص علمی بحث کو چٹکیوں میں اُڑا رہے ہیں جسے اہل علم نے علوم القرآن کی کتب میں خاص اہتمام کے ساتھ ناسخ ومنسوخ کے عنوان کے تحت درج کیا ہے۔ دیکھنا چاہیے کہ اس ہوائی دعوے کی زد قرآن حکیم کی بیشتر محکم آیات پر پڑتی ہے جس کے بعد قرآن مجید کا ایک بڑا حصہ ہمیں مخاطب ہی نہیں کرتا۔ یہ قرآن حکیم جو ابدالآباد کے لیے اور بنی نوع انسان کے ہر مسئلہ کے لیے اپنے اندر رہنمائی سموئے ہوئے ہے ہم اُسے اپنے جذبات اور جوش وخروش کے ہاتھوں مجبور ہو کر اتنا محدود کر دیں کہ اُسے غلبۂ دین کی جدوجہد کے صرف ایک دَور کے ساتھ خاص کر دیں' یہ قرآن پر ظلم اور لوگوں کو گمراہ کرنے والی بات ہے!

اب آیئے دیکھتے ہیں کہ اس دعوے کے متعلق اہل علم کیا فرماتے ہیں۔

سب سے پہلے علامہ بدرالدین الزرکشیؒ کی 'البرہان فی علوم القرآن' کو لیتے ہیں جس پر یہ اعتراض نہیں کیا جا سکتا کہ یہ موقف علماءِ سوء نے نائن الیون کے بعد مسلمانوں کو مغرب کی غلامی میں دینے کے لیے اختیار کیا ہے (کیونکہ علامہ کا تعلق ساتویں صدی ہجری سے ہے)۔ علامہؒ لکھتے ہیں:

فیما یقع فیه النسخ: الجمهور علی أنه لا یقع النسخ إلا فی الأمر والنهی وزاد بعضهم الأخبار وأطلق و قید ها آخرون بالتی یراد بها الأمرو النهی (۱)

''نسخ کہاں واقع ہوتا ہے؟ جمہور اہل علم کی رائے میں نسخ صرف امر و نہی میں واقع ہوتا ہے اور بعض نے اس پر اخبار (واقعہ کا تذکرہ) کا اضافہ کیا ہے۔ کچھ نے مطلق اخبار کہا ہے اور کچھ نے صرف اُن اخبار پر نسخ کا وقوع مانا ہے جن میں امر و نہی وارد ہوتے ہیں''۔

ملاحظہ ہو کہ جن آیات کے نسخ کا دعویٰ کیا جاتا ہے وہ اصلاً تو شریعت سے متعلق نہیں بلکہ منہاج سے متعلق ہیں جس کے متعلق اوپر جمہور کا مسلک درج کیا گیا کہ اس میں نسخ واقع ہی نہیں ہوتا۔ علامہ کی درج ذیل عبارت پر غور کیا جانا چاہیے جس میں انہوں نے براہِ راست ہمارے پیشِ نظر موضوع سے بحث کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

الثالث ما أمربه لسبب ثم یزول السبب' کالأمر حین الضعف والقلة بالصبرو بالمغفرة للذین یرجون لقاء الله و نحوه من عدم إیجاب الأمر بالمعروف والنهی عن المنکر والجهاد و نحوها' ثم نسخه إیجاب ذلک وهذا لیس بنسخ فی الحقیقة وإنما هو نَسٌ' کما قال تعالیٰ : ''أونُنسِهَا'' فالْمُنسَأ هو الأمر بالقتال' إلی أن یقوی المسلون ' و فی حال الضعف یکون الحکم وجوب الصبر علی الأذی (۲)

''تیسرا یہ کہ جو حکم دیا جائے کسی سبب کی وجہ سے' پھر وہ سبب نہ رہے' جیسا کہ مسلمانوں کو حکم دیا گیا تھا کفار کے ظلم پر صبر کرنے اور درگزر کرنے کا' اُن مسلمانوں کو جو اللہ سے ملاقات کی امید رکھتے ہیں۔ اور اسی طرح (مکی دور میں) امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور جہاد کے واجب نہ ہونے کا معاملہ ہے۔ پھر یہ حکم منسوخ ہو گیا وجوبِ جہاد سے اور یہ درحقیقت نسخ نہیں بلکہ یہ بھلا دینا ہے (بایں معنی کہ وقتی طور پر اس کے مطابق عمل نہیں کیا جائے گا) جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَوْ نُنْسِهَا. تو وقتی طور جو بھلا دیا گیا وہ حکم قتال تھا یہاں تک کہ مسلمان قوت حاصل کر لیں' اور ضعف کی حالت میں واجب ہے کہ تکلیف پر صبر کیا جائے''۔

یہ مشاہدہ ہے کہ نسخ کے دعوے دار اکثر ائمہ سلف کی اُن تفسیری آراء سے دلیل پکڑتے ہیں جو آیاتِ قتال کے ذیل میں ان جلیل القدر ہستیوں نے ظاہر فرمائی ہیں۔ اس کے صحیح محل اور مدعا کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ بعض تابعین نے نُنْسِهَا کی تفسیر نؤخرها (یعنی مؤخر کرتے ہیں) سے کی ہے۔ (ابن کثیر' جلد اوّل' سورۃ البقرۃ' آیت ۱۰۶) جیسا کہ امام ابن جریر طبری سورۃ الحج کی آیت ۳۹ ﴿اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا﴾ (اجازت دی گئی اُن لوگوں کو جن سے قتال کیا جاتا ہے (قتال کرنے کی) بسبب اس کے کہ اُن پر ظلم ہوا) کے تحت لکھتے ہیں:

وقال ابن زید کانوا قد أمروا بالصفح عن المشرکین' فأسلم رجال ذو ومنعة فقالوا یا رسول الله لو أذن الله لنا لأ نتصرنا من هؤلاء الکلاب' فنزلت هذه الآیة ثم نسخ

ذلک بالجهاد(۳)

''ہمیں مشرکین سے عدم تعارض کا حکم دیا گیا تھا' مگر پھر مقابلہ کی طاقت رکھنے والے لوگ بھی اسلام لے آئے تو ہم نے عرض کی اے اللہ کے رسول ﷺ! اگر اللہ ہمیں اجازت دیتا تو ہم ان کتوں سے خوب بدلہ لیتے۔ تو اِس پر یہ آیت نازل ہوئی اور اس نے عدم تعارض کے حکم کو منسوخ کر دیا''۔

امام سیوطیؒ نے جہاد وقتال سے متعلق اُن تمام آیات کو جنہیں بطورِ ناسخ پیش کیا جاتا ہے' اپنی کتاب 'الاتقان فی علوم القرآن' میں ناسخ ومنسوخ کی بحث کے تحت جمع کر دیا ہے۔ تفصیل کے لیے اس کتاب سے رجوع کیا جائے۔

یہ اور اس جیسے دیگر مقامات جو کتب تفسیر میں پائے جاتے ہیں' سے متعلق اس وضاحت کی ضرورت ہے کہ یہاں نسخ کے معنی وہ نہیں جو نسخ حقیقی کے ہیں' یعنی أن رفع الحکم بدلیل شرعی ولا یجوز امتثاله أبدًا (دلیل شرعی کی بنیاد پر کسی حکم کا ختم ہو جانا اور پھر اس پر عمل نہ کرنا) بلکہ حکم کے فی الحال معطل اور مؤخر ہونے کے ہیں۔ اور اسی رائے کو امام جلال الدین سیوطیؒ نے اختیار کیا ہے۔

اس بارے میں علامہ زرکشیؒ کا قولِ فیصل درج ذیل ہے:

وبهذا التحقيق تبين ضعفُ ما لهج به كثير من المفسرين في الآيات الامرة بالتخفيف إنها منسوخة بآية السيف' وليست كذلک بل هي من المنسأ بمعنى أن كل أمر ورد يجب امتثاله في وقت ما لعلّة توجب ذلک الحكم' ثم ينتقل بانتقال تلک العلّة الى آخر' وليس بنسخ إنما النسخ الازالة حتى لا يجوز امتثاله ابدًا وإلى هذا أشار الشافعي في "الرسالة" إلى النهي عن ادّخار لحوم الأضاحي من أجل الرأفة' ثم ورد الإذن فيه فلم يجعله منسوخا بل من باب زوال الحكم لزوال علّته وهو سبحانه و تعالىٰ حكيم أنزل على نبيه ﷺ حين ضعفه ما يليق بتلک الحال رأفة ورحمة' إذ لو وجب لاؤرث حرجا و مشقة' فلما أعز اللّٰه الاسلام وأظهره ونصره أنزل عليه من الخطاب ما يكافي تلک الحالة من مطالبة الكفار بالاسلام أو بأداء الجزية ان كانو أهل كتاب أو الاسلام أو القتل إن لم يكونوا أهل كتاب ويعود هذان الحكمان' اعني المسالمة عند الضعف والمسايفة عند القوة بعود سببهما' وليس حكم المسايفة ناسخًا لحكم المسالمة بل كلٌّ منهما يجب امتثاله في وقته(٤)

''اور اِس تحقیق سے وہ ضعف واضح ہوتا ہے جو بہت سے مفسرین کو لاحق ہوا اُن آیات کے بارے میں جن میں بہت زیادہ تخفیف کا حکم ہے (یعنی صبر واستقامت اور عفو ودرگزر کا حکم ہے) کہ یہ تمام آیات منسوخ ہیں آیۃ السیف سے۔ جب کہ معاملہ ایسا نہیں ہے' بلکہ اوّل الذکر آیات منساء (مؤخر کردہ) کی قبیل سے ہیں' اس معنی میں کہ جو بھی حکم وارد ہوا ہے اُس کا پورا کرنا واجب ہے ایک خاص وقت میں جو علت ہے اُس حکم کے وجوب کی۔ پھر وجوب منتقل ہو جاتا ہے دوسرے حکم کی طرف علت کے منتقل

ہونے کی وجہ سے۔ اور یہ ہرگز نسخ نہیں ہے، بلکہ نسخ تو وہ ہے جس پر ہمیشہ کے لیے عمل کرنا جائز نہ رہا ہو۔ امام شافعیؒ نے اپنی کتاب ''الرسالہ'' میں اس نکتہ کی طرف اشارہ کیا ہے کہ: حدیث میں جو قربانی کے گوشت کو ذخیرہ کرنے سے منع کیا گیا (۵) تو وہ بسبب رأفت ہے۔ پھر ذخیرہ کرنے کی اجازت دے دی گئی تو یہ اجازت پہلے حکم کی ناسخ نہیں ہے، بلکہ اِس میں بھی وہی حکمت کارفرما ہے کہ علت کے زائل ہونے سے حکم بھی زائل ہو گیا۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ حکمت والے ہیں اِس لیے اپنے نبی ﷺ پر حالت ضعف میں وہ احکام نازل فرمائے جو اُس حال کے مطابق تھے، نرمی برتتے ہوئے رحمت کے ساتھ۔ اگر شروع ہی سے قتال کے احکام واجب کر دیے جاتے تو اِس سے شدید حرج اور مشقت لازم آتی۔ پھر جب اللہ نے اسلام کو عزت، نصرت اور غلبہ سے سرفراز فرمایا تو آپ ﷺ پر وہ احکام نازل فرمائے جو اِس حال کے مطابق تھے۔ جیسے کفار سے اسلام کا مطالبہ (جزیرہ نمائے عرب کے کفار مراد ہیں) ورنہ اُن کا قتل کر دیا جانا، یا اگر اہل کتاب ہیں تو جزیہ کا مطالبہ۔ یہ دونوں حکم واپس آ سکتے ہیں سبب کے لوٹنے سے۔ یعنی امن (عدم جنگ) کا اختیار کرنا کمزوری کے وقت اور جنگ وقتال کا اختیار کرنا قوت وطاقت کے وقت۔ اور 'حکم المسایفة' (قتال وجنگ کا حکم) 'حکم المسالمة' (امن وعدم جنگ کے حکم) کے لیے ناسخ نہیں، بلکہ اُن میں سے ہر ایک کے علیحدہ علیحدہ اوقات میں عمل ہوگا''۔

پس ثابت ہوا کہ نسخ کا دعویٰ مکی منہج یعنی منہج دعوت کے لیے کسی طور پر بھی ثابت نہیں۔ احوالِ واقعہ یعنی معروضی حالات کی نسبت سے معاملہ مقدم اور مؤخر کا ہے نہ کہ ناسخ ومنسوخ کا۔ نہ منہج دعوت منسوخ ہے اور نہ منہج جہاد (جیسا کہ اس کے برعکس اکثر متجددین کا زعمِ باطل ہے)۔ منہج جہاد وقتال بھی اپنی پوری شان وشوکت، جاہ وجلال، وقار وطمطراق کے ساتھ موجود ہے اور منہج جہاد وقتال کو ساقط یا منسوخ قرار دینے والا اور اِس پر معذرت خواہانہ رویہ اختیار کرنے والا مغلوب ذہنیت کا حامل، حقائق کا منکر، اسلام کی تکمیلی شان سے ناواقف اور مارِ آستین ہے۔ مگر یہاں محل گفتگو یہ ہے کہ کون سا منہج کن حالات میں زیادہ مناسب للمطلوب، مؤثر، راجح، مقدم اور مقاصد شریعت کا زیادہ محافظ اور غلبہ و اقامت دین کے لیے مبنی بر ہدف ہے۔ واللہ المُستعان!

ایک اشکال اور اُس کا حل

زیر نظر مضمون کا یہ بنیادی مقدمہ ہے کہ آج مسلمانوں میں کام کرنے والی تحریکاتِ اسلامیہ کے لیے رہنمائی کا اہم ترین ذریعہ نبی اکرم ﷺ کے مکی دور کا منہج ہے۔ ہمارے نزدیک یہی وہ بنیادی مقدمہ ہے جس کو تسلیم کر لینے سے اسلامی تحریکات جو غلبہ واقامت دین کے لیے مصروف کار ہیں، صحیح راہ پر گامزن رہیں گی اور منزل بہ منزل نفاذِ اسلام اور نظامِ خلافت سے قریب تر ہوتی چلی جائیں گی اور پھر اسلامی ریاست کے قیام کے بعد اُس کے تحت اور امامِ شرعی کی اقتدا میں کفار کے خلاف قتال کو منظم کرنے کا مرحلہ بھی آئے گا (اِن شاء اللہ)۔

اس استدلال پر ایک اعتراض یہ وارد کیا جاتا ہے کہ اگر آج جدوجہد کے لیے مکی دور کو نظیر ٹھہرایا جائے تو پھر وہ حلت وحرمت کی تفصیلات جو شریعت میں تدریجی مراحل سے گزرنے کے بعد اپنی حتمی شکل کو پہنچ چکی ہیں، درہم برہم ہو جائیں

گی‘ شراب وسؤر کی حلت وحرمت کا سوال اُٹھ کھڑا ہوگا۔ اِس اشکال کو ایک معترض کی زبانی سنیے! ہم عبارت نقل کیے دیتے ہیں:

’’جب جہاد کے حتمی احکامات نازل کیے جا چکے تو اب کسی کو یہ حق نہیں کہ موجودہ دور کو مکی دور کے مثل قرار دے کر جہاد کو معطل کر دے‘ کیونکہ اِس طرح تو آج شراب وسود کی عدم حرمت کا سوال بھی کھڑا ہو جائے گا کہ مکی دور میں یہ بھی حرام نہ تھے۔ جبکہ ہمارے سامنے اللہ کا یہ حکم موجود ہے: ﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا﴾ (المائدۃ:۳) ’’آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی اور تمہارے لیے اسلام کے دین ہونے پر میں رضامند ہو گیا‘‘۔

الغرض ہمارے لیے شریعت کے حتمی احکام ہی حجت ہیں۔

یہ اعتراض خلط مبحث کے سوا کچھ نہیں۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ کسی نظیر یا مثال کا سو فیصد انطباق نہیں ہوتا‘ بلکہ کسی نسبت سے اُس کا اطلاق ہوتا ہے اور کسی پہلو سے نہیں بھی ہوتا۔ اُسوۂ حسنہ کو سامنے رکھتے ہوئے موجودہ حالات کی رعایت کے ساتھ عمل کرنا مقصود ہوتا ہے اور یہ عقل عام کی بات ہے جس کے لیے کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿لِکُلٍّ جَعَلْنَا مِنْکُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا﴾ (المائدۃ:۴۸)

’’تم میں سے ہر ایک کے لیے ہم نے ایک شریعت دی اور ایک منہاج‘‘۔

اِس آیت میں دو غور طلب الفاظ وارد ہوئے ہیں‘ ایک شریعت اور دوسرا منہاج۔ آیئے دیکھتے ہیں لغت میں اس کے معنی کیا ہیں‘ اِس آیت کی ماثور تفسیر کیا ہے اور سلف نے اِس سے کیا مراد لی ہے۔ اِس نقطے کی تفہیم سے اِن شاء اللہ محولہ بالا اشکال کا جواب بھی حاصل ہو جائے گا۔

لفظ ’’الشِّرعة‘‘ کے بارے میں علامہ آلوسی البغدادیؒ لکھتے ہیں:

’الشِّرعة‘ بکسر الشین‘ و قرأ یحیی بن ثاب بفتحها ’الشَّریعة‘ وهی فی الأصل الطریق الطاهر الذی یوصل منه إلی الماء والمراد بها الدین‘ واستعمالها فیه لکونه سبب موصلا إلی ما هو سبب للحیاة الأبدیة کما أن الماء سبب للحیاة الفانیة أو لأنه طریق إلی العمل الذی یطهر العامل عن الأوساخ المعنویة کما أن الشریعة طریق إلی الماء الذی یطهر مستعمله عن الأوساخ الحسیة(۶)

’’الشِّرعة شین کی زیر کے ساتھ ہے اور یحییٰ بن ثاب کی قراءت میں زبر کے ساتھ ہے۔ اور اِس کے اصلی معنی ہیں ایسا صاف طاہر راستہ جو پانی تک پہنچتا ہو اور اِس سے مراد دین ہے‘ اور اِس کا آیت میں استعمال ان معنی میں کیا گیا ہے کہ دین سبب ہے حیاتِ ابدی کا جیسا کہ پانی سبب ہے حیاتِ فانی کا۔ یا یہ کہ یہ وہ راستہ ہے جو عامل کو ایسے عمل کی طرف لے کر جاتا ہے جو اُسے معنوی آلائشوں سے پاک

کرتا ہے جیسا کہ شریعت اُس راستہ کو کہتے ہیں جو ایسے پانی کی طرف لے کر جاتا ہے کہ اُس کا استعمال کرنے والا حسی آلائشوں سے پاک ہو جاتا ہے''۔

اب لفظ ''منہاج'' کے متعلق تفصیلات ملاحظہ ہوں:

''مِنْهَاجًا'' اسم آلہ مفرد ہے اور اس کا مطلب ہے کھلا ہوا راستہ' کشادہ راستہ' روش۔ نہج' منہج اور منہاج تینوں ہم معنی ہیں۔ نَهْجٌ باب فَتَحَ سے مصدر ہے اور مراد ہے راستہ کا کشادہ اور صاف ہونا اور اُس پر چلنا' کپڑے کا پرانا ہونا' کپڑے کو پرانا کرنا۔ اِس معنی میں باب سَمِعَ اور کَرُمَ سے بھی مستعمل ہے۔ انهاجٌ ''لازم'' بن کر بھی آتا ہے اور ''متعدی'' بھی۔ یعنی اس کا مطلب کشادہ راستہ ہونا بھی ہے اور راستہ کشادہ کرنا بھی۔ (۷)

ملاحظہ کیجیے کہ ائمہ سلف نے اس آیت کی تفسیر میں اِن الفاظ کے شرعی معنی کیا بیان کیے ہیں۔ امام ابن جریر طبریؒ نے اس آیت کے ذیل میں کئی روایات جمع کی ہیں جن کے طرق مختلف ہیں مگر معنی میں اشتراک ہے۔ ہم یہاں ایک روایت نقل کرتے ہیں:

حدثنا ابن بشار ' قال ثنا عبدالرحمن بن مهدى ' قال ثنا مسعر عن ابى اسحاق عن التميحى ' عن ابن عباس: لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا قَالَ سُنَّةً وَ سَبِيْلًا(۸)

''.....حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ آیت ﴿لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا﴾ سے مراد سنت (یعنی شرعی طریقہ وحکم) اور سبیل (یعنی اس شرعی حکم اور طریقے پر چلنے کا رستہ) ہے''۔

معلوم ہوا کہ شریعت اور منہاج میں فرق ہے۔ یہ دونوں الفاظ الگ الگ مفاہیم کی ادائیگی کے لیے وارد ہوئے ہیں مگر یہ فرق ایک ہی حقیقت یعنی دین کے دو پہلوؤں کے اظہار کے اعتبار سے ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے اِس آیت کے ذیل میں کافی وشافی کلام فرمایا ہے جس سے مدعا واضح ہو جاتا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

و(الحقيقة)حقيقة الدين' دين ربّ العالمين هى ما اتفق عليها أنبياء والمرسلون' وإن كان لكل منهم شرعة ومنهاج فالشرعة هى الشريعة قال الله تعالىٰ: ﴿ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۞ اِنَّهُمْ لَنْ يُّغْنُوْا عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا ط وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ج وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝﴾ (الجاثية) .**(والمنهاج) هو الطريق قال تعالىٰ: ﴿وَاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا ۙ لِّنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ط وَمَنْ يُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا ۝﴾** (الجنّ) **فالشرعة بمنزلة الشريعة والمنهاج هو الطريق الذين سلك فيه والغاية المقصود هى حقيقة الدين وهى عبادة اللّٰه وحده لا شريك له وهى حقيقة دين الاسلام**(۹)

''حقیقۃ سے مراد حقیقتِ دین ہے' یعنی اللہ ربّ العالمین کا دین۔ یہ وہ دین ہے جو تمام انبیاء اور

رسولوں f کے درمیان متفق چلا آ رہا ہے باوجود اِس کے کہ اُن سب کے لیے شریعت اور منہاج علیحدہ علیحدہ تھے۔ پس 'الشـــــرعة' سے مراد شریعت ہے' جیسا کہ فرمانِ باری ہے: ''پھر ہم نے رکھا آپ کو ایک شریعت پر اس کام میں تو اسی کی پیروی کیجیے' اور ہرگز نادان لوگوں کی خواہشات کی پیروی مت کیجیے۔ وہ کام نہ آئیں گے آپ کے اللہ کے سامنے کچھ بھی' اور بے شک ظالم تو ایک دوسرے کے دوست ہیں' اور اللہ دوست رکھتا ہے متقین کو''۔ اور 'منہاج' سے مراد ہے طریقہ کار' راستہ۔ جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے: ''اگر لوگ سیدھے طریقہ پر رہتے تو ہم اُنہیں پلاتے پانی بھر کر' تاکہ ہم اُن کو اس کے ذریعہ چانچیں۔ اور جو کوئی منہ موڑے اپنے ربّ کی یاد سے تو وہ اُس کو چلا دیتا ہے چڑھتے ہوئے عذاب میں''۔ پس شـرعة سے مراد شریعت ہے اور منہاج سے مراد وہ طریقہ کار ہے جس پر چل کر غایت مقصود حاصل کیا جاتا ہے جو کہ حقیقت دین ہے اور یہ حقیقت اصلاً اللہ وحدہ لاشریک کی بندگی کا نام ہے''۔

اِسی طرح کئی اور مقامات پر امام ابن تیمیہؒ نے واضح کیا ہے کہ شریعت الگ ہے اور طریقہ کار الگ ہے۔ اور یہ تمام انبیاءؑ کے لیے مختلف رہی ہیں' مگر دین کی حقیقت جو کہ عبادتِ ربّ واحد ہے' وہ تمام انبیاء اور رُسلؑ کے مابین متفق رہی ہے۔ شریعت بحث کرتی ہے حلال وحرام سے' جائز وناجائز سے' اشیاءِ استعمال کے مستحب ومکروہ ہونے سے' جبکہ منہاج اُس طریقہ کار' اُس حکمت عملی' اُس راستہ اور منہج کو کہتے ہیں جس پر کاربند ہو کر اللہ کی بندگی' اظہارِ دین اور اعلاءِ کلمۃ اللہ کی جدوجہد کی جاتی ہے۔ یہاں پہنچ کر بات واضح ہو جاتی ہے کہ آج اقامت دین کے لیے رسول اللہ ﷺ کے دیے گئے دو مراحل منہج میں سے کسی کے اختیار کرنے سے شریعت کے معطل ہونے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بے شک شریعت مکمل ہو چکی' جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اَلْـيَـوْمَ اَكْـمَـلْـتُ لَـكُـمْ دِيْنَـكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِىْ وَرَضِيْتُ لَـكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾

یعنی آج منہج نبویؐ کے مرحلۂ دعوت پر عمل کرنے کے باوجود شریعت کے حلال وحرام پر کوئی فرق واقع نہیں ہوگا۔ آج ہمارے لیے شریعت کے وہی احکام حجت ہیں جو تدریجی مراحل سے گزرنے کے بعد اپنی تکمیل کو پہنچ چکے ہیں۔ یہ بالکل دوسری بات ہے کہ آج شریعت کے بہت سے احکام پر ہمارے ہاں عمل نہیں۔ خاص طور پر شریعت اسلامی کا وہ حصہ جو ریاست سے متعلق ہے۔ جیسے نفاذِ حدود' نظامِ صلاۃ' نظامِ زکوٰۃ' کفار کے خلاف شرعی قتال یعنی جہاد فی سبیل اللہ کا قیام' امر بالمعروف ونہی عن المنکر بالید' حرمتِ سود' کفار سے جزیہ کا مطالبہ وغیرہ۔ کوئی مانے یا نہ مانے تلخ حقیقت یہ ہے کہ آج ہم اپنے ربّ کے ان احکام پر اجتماعی طور پر عمل کرنے سے عاجز ہیں۔ اس کا تدارک صرف اسی طرح ممکن ہے کہ ہم اس فرمانِ حقیقت بیان کی روشنی میں اسلامی ریاست کے قیام کی جدوجہد کریں۔ حضرت امام مالکؒ نے فرمایا تھا کہ: لَن يصلح آخر هذه الأمة الا بما صلح به أولها، اور منہج انقلاب نبویؐ کی رو سے جدوجہد کی ترتیب میں مکی دَور مقدم ہے اور اسی کا ثمر ریاست مدینہ کے نام سے معروف ہے۔

نصوص سے غلط استدلال

یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ آج اصل اعتبار قرآن مجید سے استنباطِ احکام کے وقت عمومِ لفظی کا ہوگا نہ کہ سبب خصوصی کا۔ **العبرة بعموم اللفظ لا بخصوص السبب** ۔مگر یہ قاعدہ احکامِ شریعت سے متعلق ہے نہ کہ استخراجِ منہج سے۔ استخراجِ منہج میں تو اصل اعتبار ترتیب نزولی کا ہے اور یہ بات اتنی سامنے کی ہے کہ اس کے لیے دلائل دینے کی ضرورت نہیں۔

آج ایک خاص طرح کے لٹریچر میں جہاں بہت سے اصولی اور علمی خلط مبحث پائے جاتے ہیں، اُن میں سب سے خطرناک اور کثرت سے پائی جانے والی خامی نصوص کا بے موقع انطباق ہے۔ یعنی آیاتِ قرآنی، احادیث نبویؐ، فتاویٰ واقوالِ سلف کو سیاق وسباق، ظروف واحوال سے کاٹ کر یکسر بے محل پیش کیا جاتا ہے، جو کہ نتیجہ ہے اُس حد سے بڑھی ہوئی جذباتیت، انتقامی جذبات اور عالم کفر کی طرف سے ڈھائے جانے والے مسلسل ظلم و جبر کا، جس کے نتیجہ میں ہمارے یہ بھائی موجودہ پستی کی کیفیت سے باہر آنے اور غلبۂ اسلام کے لیے منہج وطریقہ کار پر سنجیدہ غور وفکر کے لیے تیار ہی نہیں۔ اور زبانِ حال سے کہہ رہے ہوتے ہیں: ع

مفاہمت نہ سکھا جبر ناروا سے مجھے　　میں سربکف ہوں لڑا دے کسی بلا سے مجھے!

اور: ؎

نصیحتم چہ کنم ناصحا چہ میدانی　　کہ من نہ معتقد مردِ عافیت جوئیم

مگر یہ الزام درست نہیں، کیونکہ ہم مفاہمت یا عافیت جوئی کی تعلیم نہیں دے رہے، بلکہ احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کی نبوی حکمتِ عملی کی طرف توجہ مبذول کروانا چاہتے ہیں۔

مفہوم اور مرادِ متکلم کے اخذ کرنے میں سیاق وسباق اور احوال وظروف کی حد درجہ اہمیت ہے۔ اس بات کا اندازہ ہم ایک سادہ سی مثال سے لگا سکتے ہیں۔ ایک شخص کہتا ہے ''پانی لاؤ''۔ اب اگر وہ شخص یہ جملہ کھانے کی میز پر ادا کرے گا تو آپ اُس کو پانی کا ایک گلاس لا دیں گے۔ اگر یہی جملہ غسل خانے سے کوئی پکار کر کہے تو آپ بالٹی بھر پانی کا اہتمام کریں گے اور اگر یہی جملہ کوئی وضو خانے میں کہے تو آپ اُسے پانی کا ایک ظرف فراہم کر دیں گے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ جملہ ایک ہی ہے مگر محل ومقام کے بدلنے سے تعمیل حکم میں کتنا فرق واقع ہوتا ہے! اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ سیاق وسباق اور احوال وظروف اور مزاج ولہجے کا متکلم کی مراد کو سمجھنے میں کتنا حصہ ہے۔

سیاق وسباق سے کاٹ کر نصوص کو پیش کرنے کے حوالے سے ہم ایک روایت کا تذکرہ کرتے ہیں۔ عصر حاضر کے جہادی لٹریچر میں آپ کو بخاری ومسلم سے مروی یہ حدیث نبویؐ جا بجا ملے گی:

((اَنَّ الْجَنَّةَ تَحْتَ ظِلَالِ السُّيُوْفِ)) (صحیح مسلم)

''جنت تلواروں کے سائے تلے ہے''۔

جبکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک روایت کا جزو ہے نہ کہ مکمل حدیث۔ اب آپ مکمل حدیث نبویؐ کا مطالعہ فرمائیں اور اندازہ لگائیں کہ سیاق وسباق کے ساتھ اِس حدیث کا کیا مفہوم ہے اور سیاق وسباق سے کاٹنے کے بعد اس کے معنی

میں کیا فرق واقع ہوتا ہے۔ ارشادِ نبویؐ ہے:

((یَا اَیُّھَا النَّاسُ لَا تَتَمَنَّوْا لِقَاءَ الْعَدُوِّ وَاسْاَلُوا اللّٰہَ الْعَافِیَۃَ فَاِذَا لَقِیْتُمُوْھُمْ فَاصْبِرُوْا وَاعْلَمُوْا اَنَّ الْجَنَّۃَ تَحْتَ ظِلَالِ السُّیُوْفِ)) (۱۰)

''اے لوگو! دشمن سے لڑنے کی آرزو نہ کرو اور اللہ سے عافیت مانگو۔ پس جب لڑنے کی نوبت آ ہی جائے تو ڈٹ جاؤ (بھاگو نہیں) اور یہ جان رکھو کہ بہشت تلواروں کے سائے تلے ہے۔ (یعنی شہید ہوتے ہی داخل جنت ہوگے)''۔

اِس طرح کے لٹریچر کا ایک اور خاصہ یہ ہے کہ اِس میں ائمہ سلف کے فتاویٰ کو اُن کے پورے استدلال سے کاٹ کر الگ اور بے محل پیش کیا جاتا ہے، بغیر اِس پر غور کیے کہ صاحبِ فتویٰ نے یہ فتویٰ کن حالات میں اور کن امور کو پیش نظر رکھتے ہوئے دیا تھا۔ اِس لیے ضروری ہے کہ فتوے کی شرعی حیثیت اور اُن عوامل کو دیکھ لیا جائے جن کا ایک مفتی فتویٰ دیتے وقت لحاظ رکھتا ہے۔ اِس سے یہ بات صاف واضح ہو جاتی ہے کہ اسلاف میں سے کسی کے فتویٰ سے منہج کے لیے دلیل پکڑنا درست نہیں، کیونکہ منہج کا تعلق اپنے زمانے کے خاص حالات سے ہوتا ہے۔ منہج کے تعین میں فیصلہ کن عامل کی حیثیت وقت کے عرف وعادت اور مصالح مرسلہ کو حاصل ہے۔ اسی لیے اہل علم کے ہاں مشہور ہے کہ: **من لم یعرف اھل زمانہ فھو جاھلٌ**. کہ ''جو شخص اہل زمانہ کو نہیں جانتا وہ جاہل ہے''۔ اور عالم کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ: **ان یکون بصیرًا بزمانہ** کہ وہ اپنے زمانے کی بصیرت رکھتا ہو۔ علامہ شامی کا شعر ہے: ؎

والعرف فی الشرع لہ اعتبار ۔۔۔ لذا علیہ الحکم قد یدار

''عرف کا شریعت میں اعتبار ہے، اس لیے کہ اِس پر حکم کا مدار رکھا جاتا ہے''۔

دکتور عبدالکریم زیدان (استاذ الفقہ المقارن، جامعہ صنعاء) نے اپنی شاہکار تالیف ''اصول الدعوۃ'' میں باب نظام الافتاء کے تحت اِس موضوع پر عمدہ بحث کی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ فتویٰ کا خاص تعلق احوال، امکنۃ، ازمنۃ، ظروف اور مستفتی کے حالات سے ہوتا ہے اور یہ فتویٰ اِن امور کے بدلنے سے بدلتا رہتا ہے۔ یعنی **والفتویٰ قد تتغیر بتغیر المکان والزمان** (۱۱) قواعد فقہ کی کتب میں یہ قاعدہ کلیہ مسلّمہ حیثیت کا حامل ہے کہ:

والحکم یدور مع العلۃ وجودًا و عدمًا. ''حکم کا مدار وجوداً اور عدماً علت پر رہے گا''۔

علامہ ابن عابدین الشامی ''عقود رسم المفتی'' میں رقم طراز ہیں:

إن کثیرًا من الاحکام التی نص علیہ المجتھد صاحب المذھب بناء علی ما کان فی عرضہ وزمانہ قد تغیرت بتغیر الازمان بسبب فساد اھل الزمان أو عموم الضرورۃ کما قد مناہ من افتاء المتأخرین (۱۲)

''یقیناً بہت سے احکام جن کی تصریح صاحب مذہب مجتہد نے اپنے عرف اور اپنے زمانہ کے احوال پر بنیاد رکھتے ہوئے کی تھی وہ زمانہ کے بدلنے کی وجہ سے بدل جاتے ہیں اور یہ تبدیلی یا تو لوگوں میں بگاڑ پیدا ہونے کی وجہ سے ہوتی ہے یا عمومی ضرورت کا لحاظ پیش نظر ہوتا ہے، جیسا کہ ہم متأخرین کے فتاویٰ

کے ذیل میں پہلے بیان کر چکے ہیں''۔

ان تصریحات سے جہاں یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ خاص حالات میں دیے گئے فتاویٰ سے منہج کے لیے آج استدلال کرنا درست نہیں، وہاں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آج مسلم ممالک میں ہر جگہ ایک ہی منہج کو اختیار کرنا بھی ضروری نہیں۔ جیسا کہ بعض ممالک براہِ راست کافر اور غیر ملکی افواج سے اپنی حریت و آزادی کی جنگ لڑ رہے ہیں تو ظاہر ہے کہ وہاں فوری ضرورت کے پیش نظر مرحلۂ دعوت کا التزام کارگر نہیں ہے۔

آخر میں ہم مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی وہ نصیحت نقل کرتے ہیں جو آپ نے بزبانِ عربی، عرب ممالک کے نوجوانوں کو حج کے موقع پر مکہ معظّمہ میں ۱۳۸۲ھ میں فرمائی تھی۔ اس نصیحت کے ایک ایک حرف کو بغور پڑھنے کی ضرورت ہے۔ جب مولانا مرحوم نے یہ تقریر فرمائی تھی تو اُس وقت سے زیادہ شاید آج مسلمانوں کو اس رہنمائی کی ضرورت ہے۔ ہم اِس تقریر کا ایک جزو نقل کیے دیتے ہیں:

> ''اِس سلسلے میں اسلامی تحریک کے کارکنوں کو میری آخری نصیحت یہ ہے کہ انہیں خفیہ تحریکیں چلانے اور اسلحہ کے ذریعہ سے انقلاب برپا کرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے[۱۳]۔ یہ بھی دراصل بے صبری اور جلد بازی کی ایک صورت ہے اور نتائج کے اعتبار سے دوسری صورتوں کی بہ نسبت زیادہ خراب ہے۔ ایک صحیح انقلاب ہمیشہ عوامی تحریک ہی کے ذریعہ برپا ہوتا ہے۔ کھلے بندوں عام دعوت پھیلایئے، بڑے پیمانے پر اذہان اور افکار کی اصلاح کیجیے، لوگوں کے خیالات بدلیے، اخلاق کے ہتھیاروں سے دلوں کو مسخر کیجیے۔ اِس طرح بتدریج جو انقلاب برپا ہوگا وہ ایسا پائیدار اور مستحکم ہوگا جسے مخالف طاقتوں کے ہوائی طوفان محو نہ کر سکیں گے۔ جلد بازی سے کام لے کر مصنوعی طریقوں سے اگر کوئی انقلاب رونما ہو بھی جائے تو جس راستے سے وہ آئے گا اسی راستے سے وہ مٹایا بھی جا سکے گا۔''[۱۴]

حوالہ جات

۱) البرهان فی علوم القرآن ۳۳/۲۔ ۲) البرهان فی علوم القرآن ۴۲/۲۔

۳) الطبری ۳۲٤/۱۸۔ ٤) البرهان فی علوم القرآن ۲/ ۴۲، ۴۳۔

۵) حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دیہاتی غرباء کی وجہ سے یہ حکم دیا تھا کہ : ((اِدَّخِرُوْا ثَلَاثًا ثُمَّ تَصَدَّقُوْا بِمَا بَقِیَ)) ''تین دن کا گوشت ذخیرہ کر لو اور باقی گوشت صدقہ کر دو''۔ اس کے بعد لوگوں نے آ کر عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ! لوگوں نے تو اپنی قربانی سے مشکیزے بنا لیے ہیں اور اُن میں چربی کی چکناہٹ مل رہے ہیں۔ تو آپؐ نے فرمایا پھر کیا ہوا؟ اس پر لوگوں نے آپ ﷺ کا گزشتہ حکم بیان کیا تو آپؐ نے فرمایا: ((اِنَّمَا نَهَيْتُكُمْ مِنْ اَجَلِ الرَّاْفَةِ فَكُلُوْا وَادَّخِرُوْا وَتَصَدَّقُوْا)) ''میں نے تو صرف اُن آنے والے غرباء کی سہولت کی وجہ سے تمہیں منع کیا تھا۔ اب تم کھاؤ، ذخیرہ کرو اور صدقہ کرو''۔ مسلم: ۱۹۸۱۔ واحمد: ۵۱/٦۔ وابوداؤد ۲۸/۲۔ والنسائی ۲۳۵/۸۔

٦) تفسیر روح المعانی للعلامة شهاب الدین آلوسی البغدادی ص۱۵۳ ج ٦ آیت ٤۸ سورة المائدة۔

۷) تاج العروس، لغات القرآن جلد پنجم ص ٤٦٤۔

۸) رقم: ۹٤٦۷ ص ۳۳٦ المجلد الرابع جامع البیان عن تاویل آی القرآن للام ابن جریر طبریؒ۔

۹) مجموع الفتاوی للشیخ الاسلام ابن تیمیةؒ ۲۱۸/۱۱، ۲۱۹۔

۱۰) صحیح البخاری، کتاب الجهاد والسیر، باب کان النبیﷺ اذا لم یقاتل اول النهار آخر القتال۔ وصحیح مسلم، کتاب الجهاد والسیر، باب کراهة تمنی لقاء العدو والامر بالصبر عند اللقاءِ۔

۱۱) اصول الدعوة لدکتور عبدالکریم زیدان، ص۱۲۹، ۱۸۰ بیروت۔

۱۲) عقود رسم المفتی لابن عابدین الشامی ص۳۸۔

۱۳) ظاہر ہے یہ ہدایت مولانا نے آج کے خاص حالات کے حوالے سے فرمائی ہے ورنہ اسلام میں مسلح کارروائی چند شرائط کے ساتھ کوئی ممنوع شے نہیں۔ (مضمون نگار)

۱۴) ماخوذ از **تفہیمات** حصہ سوم سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ ''دُنیائے اسلام میں اسلامی تحریکات کے لیے طریق کار''

دینی علوم کے اساتذہ و محققین کے لیے ناگزیر حوالہ جاتی کتب

- **اردو دائرہ معارف اسلامیہ** [۲۴ جلدیں بشمول مفصل اشاریہ۔ قیمت: ۱۰۰۰۰]
  جامعہ پنجاب کے زیر اہتمام اردو زبان کا مفصل ترین، مستند، تحقیقی اور جامع اسلامی انسائیکلوپیڈیا
- **مختصر اردو دائرہ معارف اسلامیہ**
  اردو دائرۂ معارف اسلامیہ کے مقالات کا جامع انتخاب اور تلخیص [قیمت: ۷۰۰]
- **مسند امام احمد بن حنبلؒ** (اردو ترجمہ) [۱۴ جلدیں۔ قیمت: ۵۵۰۰]
  علم حدیث کے جامع ترین ذخیرہ کا اردو ترجمہ، اصل عربی متن اور احادیث کی تخریج کے ساتھ
- **معجم اصطلاحات حدیث** (ڈاکٹر سہیل حسن) [صفحات: ۵۱۲۔ قیمت: ۳۰۰]
  حدیث، اصول حدیث و اسماء الرجال کی اصطلاحات اور مصنفین کتب حدیث کا مستند تعارف
- **فرہنگ سیرت** (سید فضل الرحمٰن) [صفحات: ۳۲۸۔ قیمت: ۱۷۵]
  الف بائی ترتیب سے ۳۰۰۰ سے زائد اشخاص، مقامات اور واقعات کا بنیادی تعارف، ۳۰/ اہم نقشوں کے ساتھ
- **اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہؓ** (اردو ترجمہ) [۳ ضخیم جلدیں:۔ قیمت: ۱۶۰۰]
  امام ابن الاثیر الجزریؒ کے قلم سے صحابہ کرام وصحابیات کے مستند و مفصل تعارف پر مشتمل کلاسیکی انسائیکلوپیڈیا
- **احکام القرآن** (امام ابوبکر الجصاصؒ) [۶ جلدیں۔ قیمت: ۱۸۰۰]
  آیات احکام کی تعبیر و تشریح کے موضوع پر امام جصاص کی شہرۂ آفاق کتاب کا مستند اردو ترجمہ
- **قاموس الفقہ** (مولانا خالد سیف اللہ رحمانی) [۵ جلدیں۔ قیمت: ۱۷۰۰]
  اردو زبان کی پہلی فقہی انسائیکلوپیڈیا، فقہ اور اصول فقہ کی اصطلاحات پر مفصل تحقیقی مقالہ جات

مکتبہ امام اہل سنت، جامع مسجد شیرانوالہ باغ، گوجرانوالہ (0306-6426001)